مشربہ ء علم و حکمت

کتاب..........."پورا تول"

مصنفہ...........اُمِّ عبد منیب

اہتمام...........محمد عبدِ منیب

ایڈیشن...........دوم۔۱۴۲۴ھ

قیمت...........16.00

ناشر:

☆مشربہ علم وحکمت (دارالشکر)

ندیم ٹاؤن، ڈاکخانہ اعوان ٹاؤن ملتان روڈ لاہور۔

ملنے کا پتہ:

☆دارالکتب سنفیہ شیش محل روڈ لاہور پاکستان۔ph:042-7237184

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبردست علاج

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا، چند سائے میاں جی کے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے، جنہوں نے اپنے چہرے ڈھانپ رکھے تھے تاکہ اگر کوئی انہیں دیکھ لے تو پہچان نہ سکے۔ انہوں نے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور پھر خاموشی سے دیوار کے ساتھ ایک ستون کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ جب کہ ایک دیوار پر چڑھنے لگا۔ دیوار پر چڑھ کر اس نے گھر کے اندر نظر دوڑائی لیکن اس کے سامنے گہرے اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا......اس نے بار بار آنکھیں بند کیں اور کھولیں لیکن ہر بار اس کی نظر اندھیرے میں ڈوب کر رہ جاتی۔

گو رات اندھیری تھی لیکن ایسی بھی نہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے۔ درو دیوار تو نظر آ ہی رہے تھے لیکن یا تو میاں جی کا گھر تاریکی میں ڈوب چکا تھا یا دیوار پر چڑھنے والے کی آنکھیں اپنی بینائی کھو چکی تھیں۔ بالآخر وہ اپنا ارادہ پورا کیے بغیر نیچے اتر آیا۔ نیچے اترتے ہی اسے سب کچھ نظر آنے لگا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور

سرگوشی میں کہا ۔ ''میاں جی کی دیوار پر چڑھتے ہی یوں لگا جیسے میری آنکھوں کی روشنی چھن چکی ہے، کچھ نظر نہیں آیا...... ایسے میں میں کیا کرتا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ دیوار سے اترنے کے بعد اب مجھے سب کچھ نظر آ رہا ہے۔''

''تمہارا وہم ہوگا ،لو اب میں جاتا ہوں۔ میاں جی خاصے مالدار آدمی ہیں بہت کچھ ہاتھ لگے گا۔'' یہ کہہ کر دوسرا ساتھی دیوار پر چڑھا، لیکن یہ کیا؟ اسے یوں لگا جیسے کالے اندھیرے اسے پکڑنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہوں۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ مارا، آنکھیں مل کر دیکھا لیکن بے سود۔ کسی انجانے خوف سے اس کا سانس پھول گیا اور وہ چھلانگ لگا کر دوڑ کر اپنے ساتھیوں سے آملا۔

اس رات یہ لوگ کوئی واردات نہ کر سکے۔ کئی دنوں بعد انہوں نے دوبارہ کوشش کی لیکن پھر ان کے ساتھ یہی ہوا۔ سب ساتھی حیران تھے کہ وہ کئی گھروں میں کامیاب نقب لگا چکے ہیں۔ ''میاں جی کے گھر میں شاید کوئی آسیب ہے؟'' ایک ساتھی نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں، نہیں ! میاں جی کے گھر میں آسیب نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور بات ہے۔'' دوسرے نے کہا۔

''پھر یہ میاں جی کی کرامت ہوگی، وہ بڑے ذکر اذکار کرنے والے آدمی ہیں، نمازی اور پرہیزگار ہیں۔'' تیسرے نے خیال ظاہر کیا۔

یوں آج بھی وہ ناکام اپنے گھروں میں اس حالت میں لوٹے کہ ان کے دل ان

کے فعل پر انہیں ملامت کر رہے تھے۔صبح وہ میاں جی کی مجلس میں جا حاضر ہوئے۔میاں جی روزانہ قرآن و حدیث کا وعظ سنایا کرتے تھے،اب بھی یہ سلسلہ جاری تھا۔وہ بتا رہے تھے!

''کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے، یعنی کس نے کس پر کس ارادے سے نظر ڈالی......... نیز یہ کہ اس نے گناہ کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے.........اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کبیرہ گناہ کرتا ہے تو اس کا دل ایمان سے خالی ہو جاتا ہے.........جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس کی پناہ میں خود کو دے دیتا ہے۔وہ خود اس کی حفاظت کرتا ہے''

''کبیرہ گناہ کون کون سے ہیں؟''ایک ساتھی نے پوچھا۔

''شرک کرنا ،والدین کی نافرمانی،یتیم کا مال کھانا،جہاد سے پیٹھ پھیرنا،چوری کرنا،قتل کرنا،رشوت لینا،سود کھانا،ہمسائے کو ستانا،گالی دینا.........''میاں جی بتاتے جا رہے تھے۔

وعظ ختم ہوا ،سب ساتھی وہاں سے اٹھے لیکن سب کے دل کی دنیا بدل چکی تھی ۔وہ اپنی گزری ہوئی زندگی پر افسوس کر رہے تھے۔انہوں نے سچے دل سے توبہ کی ۔باقاعدگی سے میاں جی کی مجلس میں آنے لگے۔دن بدن ان کی زندگی خوب صورت، نیک اور پرہیزگار بنتی جا رہی تھی۔مگر ان کا یہ تجسس اب بھی باقی تھا کہ میاں جی کے گھر جب ہم چوری کے ارادے سے گئے تھے تو ہماری آنکھوں میں اندھیرا

کیوں چھا گیا تھا؟

آخر ایک دن انہوں نے پوچھ ہی لیا۔''میاں جی آپ اپنے گھر پر کون سا دم کرتے ہیں؟''

میاں جی نے جواب دیا:''ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو آیت الکرسی پڑھ کر سوئے اللہ اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے ....نیز یہ کہ اگر گھر کے دروازے بسم اللہ پڑھ کر بند کیے جائیں تو شیطان گھر میں داخل نہیں ہو سکتا ....بشرطیکہ پانچ وقت کی نماز ادا کی جائے اور ایمان خالص ہو......اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ شیطانی فریب میں آ کر برا کام کرنے والا شیطان ہی ہوتا ہے۔اس لیے گھر ایسے بدنیت لوگوں سے بھی محفوظ رہتا ہے''

''اتنا آسان اور زبردست علاج ....''وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

چالیس ہزار روپے

قیامِ پاکستان سے پہلے کی بات ہے۔ریاست پٹیالہ میں ایک مسلمان سیشن جج تھا۔ایک باران کی عدالت میں ایک ہندو کا مقدمہ آیا۔جس پر الزام تھا کہ اس نے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے۔قاتل کا ایک عزیز بہت اثر و رسوخ والا تھا اور دولت مند بھی۔

اتفاق سے اس کی سیشن جج سے بھی کچھ صاحب سلامت تھی۔ ہندو کی خواہش تھی کہ قاتل کسی طرح سزا سے بچ جائے۔

ایک دن وہ ہندو جج صاحب کے گھر پہنچا ۔ ان سے ملاقات کی اور بتایا کہ ملزم بے گناہ ہے۔اس نے جج صاحب سے درخواست کی کہ اسے سزا سے بچا لیا جائے لیکن جج صاحب اس کی بات ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ان کا کہنا یہ تھا کہ تفتیش اور شہادت کے بعد جو نتیجہ سامنے آئے گا اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔یقیناً جج صاحب کے سامنے اللہ کا یہ فرمان ہوگا :

"جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو"۔(النساء)

ہندو نے دیکھا کہ جج صاحب نے اس کی درخواست پر توجہ نہیں دی۔ اس

نے ایک اور حربہ آزمانے کی کوشش کی۔ جس کا اس نے پہلے ہی سے انتظام کر رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس طرح جج صاحب اس کی سفارش قبول کر لیں گے۔ شیطان اس وقت پوری طرح اس کے ساتھ تھا اور وہ بھی زور لگا رہا تھا کہ جج صاحب کو کسی طرح صحیح فیصلہ کرنے سے روک دیا جائے۔

اس ہندو نے جیب سے ایک بند لفافہ نکالا اور جج صاحب کے سامنے رکھ دیا ''اس میں کیا ہے؟'' جج صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ آپ کی مٹھائی ہے۔'' ہندو نے دبی زبان سے کہا۔

''استغفراللہ! آپ مجھے حرام کھلانا چاہتے ہیں۔'' سیشن جج نے سخت غصے سے کہا۔ جج صاحب خوب جانتے تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔'' لہٰذا رشوت کی چاہے ایک پائی ہی کیوں نہ ہو حرام بھی ہے اور جہنم میں لے جانے والی بھی۔ گو جج صاحب اس پیشے سے تعلق رکھتے تھے جس میں قدم قدم پر رشوت سے سامنا پڑتا ہے اور حرام سے خود کو بچانا بہت مشکل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آج تک انہیں اس آگ سے بچائے رکھا تھا۔

جج صاحب کا جواب اور غصہ دیکھ کر شیطان ہمت نہیں ہارا۔ اس نے ایک اور داؤ چلنے کی کوشش کی اور ہندو کی زبان سے یہ لفظ نکلے۔

''اس میں چالیس ہزار روپیہ ہے'' (گویا اس دور کے چالیس لاکھ)

جج صاحب جس اللہ کے بندے تھے وہ تو اپنے بندوں کو ہر حالت میں دیکھ رہا تھا۔انھوں نے ایک بار پھر ایمانی قوت کے ساتھ جواب دیا۔

''حرام کی مقدار زیادہ ہو تو وہ حلال نہیں ہو جاتی بلکہ مقدار بڑھنے سے اس کی کراہیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور اب میں اسے اور زیادہ حرام سمجھتا ہوں۔''

جج صاحب نے یہ کہہ کر شیطان کو پوری طرح مایوس کر دیا اور ہندو........لاجواب ہو گیا ،اس نے لفافہ اٹھا کر جیب میں ڈالا اور چل دیا۔اس کی ناجائز امید تو پوری نہیں ہوئی لیکن اس کا دل ایک مسلمان کی دیانت کی عظمت سے بھر چکا تھا۔

پیارے بچو! ریاست پٹیالہ کے یہ جج سید سلیمان منصور پوری تھے جو جج ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عالم دین بھی تھے ۔انھوں نے بہت سی دینی کتب بھی لکھی ہیں......جن میں سے ایک اہم کتاب ''رحمتہ للعالمین'' ہے جو سیرت النبی سے متعلق ہے اور تین جلدوں میں ہے ۔ان کی سیرت ہی پر ایک چھوٹی سی مگر جامع کتاب ''مہر نبوت'' ہے جو دینی مدارس کے ابتدائی نصاب میں شامل ہے ۔ہم نے یہ واقعہ ان کی کتاب ''شرح اسمائے حسنٰی............کے آخر میں ان کے حالات زندگی سے لیا ہے۔جسے محترم حکیم عبداللہ (جہانیاں والے) نے مرتب کیا ہے۔ آپ ان کی کتابیں ضرور پڑھیے گا''۔

انوکھا مزدور

کچھ سامان کی زیادتی اور کچھ سفر کی طوالت............تھکا ہارا مسافر منزل کے قریب تو پہنچنے ہی والا تھا لیکن اس کی نظر اس تلاش میں تھی کہ کوئی مزدور مل جائے اور سامان اٹھائے تا کہ بوجھ کچھ ہلکا ہو ۔جلد ہی ملکِ شام سے آنے والے اس تاجر کو ایک شخص نظر آیا ،جس کا لباس اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ مزدور پیشہ ہے ۔تاجر نے اس شخص کو آواز دی اور سامان اٹھانے کے لیے کہا ۔

اس شخص نے گٹھری اپنی پیٹھ پر لادی اور تاجر کے پیچھے پیچھے چل دیا۔تھوڑی دیر بعد دونوں مدائن شہر میں پہنچ گئے ۔جہاں راستوں پر لوگوں کی آمدورفت جاری تھی۔آتے جاتے لوگ مزدور کو حیرت سے دیکھتے ،پھر تاجر پر نظر ڈالتے ،باہم چہ میگوئیاں کرتے اور آگے بڑھ جاتے۔لوگوں کی حیرت بڑھتی ہی جارہی تھی کہ ایک شخص آگے بڑھا،اور تاجر سے کہا!

"جس شخص کو تم نے مزدور سمجھ کر اس سے سامان اٹھوا رکھا ہے یہ تو امیرِ مدائن ہیں ،سلمان فارسی رضی اللہ عنہ"۔

تاجر یہ سن کر چونکا ، اپنی غلط فہمی پر شرمندہ ہوا لیکن اسے اس پر حیرت بھی ہوئی کہ امیرِ شہر کا لباس تو مزدوروں جیسا ہے۔

اس نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے بڑی معذرت ، ندامت ، اور ادب کے ساتھ عرض کیا "میرا سامان یہیں اُتار دیجیے، مجھے علم نہیں تھا کہ آپؓ امیر شہر ہیں"۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سامان اُتارنے سے انکار کر دیا اور کہا ! میں نے اس نیکی کی نیت کر لی تھی ، اب جب تک یہ نیکی پوری نہ کرلوں، سامان نہیں اُتاروں گا"

(طبقات ابنِ سعد ، بحوالہ "جہانِ دیدہ"، ص ۵۲ از مولنا تقی عثمانی)

وہ میرا نام جانتا ہے

رات کی کالی سیاہ چادر لمحہ لمحہ پھیلتی جا رہی تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ مدائن شہر بھی تاریکی میں ڈوب چکا تھا۔ جو کل تک کسریٰ کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ وہ سلطنت جو دنیا کی سُپر پاور تھی۔ مال اور شوکت میں سب سے آگے اور اب مدائن کئی روز کی جنگ کے بعد اسلامی خلافت کا حصہ بن چکا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ کسریٰ کے سپاہیوں نے بہت زور آزمائی کی۔ سلطنت کو بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی لیکن مسلمان مجاہدین کی ایمانی طاقت کے کیا کہنے!

ان کے سامنے کسریٰ کی طاقت تنکے کی طرح بہہ گئی۔ جس کے نتیجے میں مالِ غنیمت کنکروں کی طرح بکھرا پڑا تھا۔ مدائن شہر کے باہر دور دور تک خیمے نصب تھے۔ جن میں مسلمان مجاہدین ٹھہرے ہوئے تھے۔

اچانک ان خیموں کے درمیان چلتا ہوا۔ ایک انسانی سایہ ابھرا، اس نے اپنی آستین میں کوئی بہت وزنی چیز اٹھا رکھی تھی۔ یہ سایہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ایک خیمے کے

قریب آ کر رک گیا۔ اس نے اندھیرے میں ماحول کا جائزہ لیا، جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کا مطلوبہ خیمہ یہی ہے، تو اس نے خیمے کے دروازے پر رک کر سلام کیا.... جواب میں وعلیکم السلام کی آواز آئی۔ یہ اس کی جانی پہچانی آواز تھی۔ اس کے سپہ سالار سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی آواز۔ جو پیارے رسول ﷺ کے جانثار ساتھی تھے۔ اور عمرِ فاروقؓ خلیفۃ المسلمین کی طرف سے مقرر کردہ امیرِ لشکر......انہی کی مومنانہ قیادت میں کسریٰ کی سلطنت اسلام کے دامن میں آئی تھی۔

سلام کا جواب پا کر انسانی سایہ خیمے کے اندر داخل ہوا۔ آستین میں چھپائی ہوئی چیز کو نکالا اور امیرِ لشکر کے سامنے رکھ دیا۔ یہ جواہرات سے مرصع کسریٰ کا قیمتی تاج تھا۔ جو اس قدر وزنی تھا کہ کسریٰ کے تخت کے عین اوپر، چھت سے زنجیر کے ساتھ اسے لٹکایا گیا تھا۔ بادشاہ اسے سر پر پہننے کی بجائے اپنا سر اس کے اندر دے لیتا اور دربار سے اٹھتے وقت اسے وہیں لٹکتا چھوڑ آتا۔

سبحان اللہ! اب یہی قیمتی تاج سعد بن وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے، آپؓ کے قدموں میں، زمین پر پڑا تھا۔

سعد بن وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تاج کو ٹٹولا اور سوچا! اتنا قیمتی تاج دیکھ کر اس غریب سپاہی کی نیت میں فرق نہیں آیا۔

نیت میں فرق بھلا کیسے آتا، یہ سپاہی کسی انسانی فوج کا سپاہی نہیں، اللہ کے دین کا سپاہی تھا۔ جس کا صرف ایک ہی مقصد تھا.... اللہ کے دین کو ہر خطے میں

پہنچانے، اسے اپنے آپ پر اور دوسروں پر نافذ کرنے کی پُر خلوص اور فدائیانہ کوشش۔

اس کے پیارے رسول ﷺ نے اسے یہی تعلیم دی تھی۔ کسی دوسرے کا مال ہو یا مالِ غنیمت...... اس میں سے ایک تنکے کی خیانت بھی حرام ہے اور اس کے عملِ جہاد کو برباد کرنے کے لیے کافی۔

سپاہی نے تاج امیر کے حوالے کیا اور واپس چلنے کے لیے مڑا، سعد بن وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا!

" بھائی اپنا نام تو بتاتے جاؤ "

سپاہی نے دروازے کی طرف پیٹھ پھیری اور کہا!

" جس کی رضا کے لیے میں نے یہ کام کیا ہے، وہ میرا نام جانتا ہے"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

❁❁❁❁❁❁

..........کے بعد کیا ہوگا؟

سہارن پور کے اسٹیشن پر ایک مسافر کھڑا تھا۔ جس کے پاس ہی گنوں کا ایک ڈھیر رکھا ہوا تھا۔ غالباً اسے گاڑی کا انتظار تھا۔ کچھ دیر کے بعد گاڑی آئی، مسافر نے ٹکٹ خریدا، جب گنّے کا محصول ادا کرنے لگا تو ریل بابو نے کہا (جو مسافر کی جان پہچان کا تھا) لے جایئے! محصول کی ضرورت نہیں۔"

"آپ کی اجازت معتبر نہیں اگر راستے میں کسی نے پوچھ لیا تو"۔

مسافر بولا...... ریل بابو نے کہا "فکر نہ کیجئے میں گارڈ سے کہہ دوں گا"۔

گارڈ کہاں تک جائے گا؟ مسافر نے سوال کیا۔

" کلکتے تک " ریل بابو نے جواب دیا۔

" بھائی آگے کیا ہوگا " ؟ مسافر نے فکر مند ہو کر کہا۔

ریل بابو نے کہا" یہ گارڈ دوسرے گارڈ کو کہہ دے گا، اس گارڈ نے کلکتہ تک جانا ہے اور کانپور تو راستے ہی میں پڑتا ہے"۔

مسافر پھر گویا ہوا " بھئی کانپور کے بعد کیا ہوگا"؟

ریل بابو نے حیران ہو کر کہا۔ ”جناب آپ کو تو کانپور تک ہی جانا ہے“۔

نہیں بھائی! کانپور تک سفر کیسے ختم ہوگا! آخرت کا سفر ابھی باقی ہے۔

وہاں پکڑ ہوئی تو کون سفارش کرے گا؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے کہہ دے گا تو میں یہ گنے بلامحصول لے جاؤں گا۔ (بحوالہ البلاغ، ماہنامہ ۔ کراچی، ۱۳۹۸ صفر)

پیارے بچو! ہم میں کتنے ہی ایسے ہیں جو حکومت کے واجبات ادا کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ روپیہ، دو روپیہ کا محصول یا بل ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ باہمی لین دین میں کچھ کمی ہو جائے تو اسے گرفت کے قابل نہیں سمجھتے۔ جب اللہ تعالیٰ کے ہاں پیمانہ عدل اور انصاف کا چلتا ہے۔ سورۃ زلزال کی آخری آیات میں ارشاد ہے، جس کا مفہوم یہ ہے۔

” جو ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ بھی اسے (اللہ کے ہاں سے) پالے گا، اور جو ذرہ بھر بھی برائی کرے گا (اسے اللہ کے ہاں سے) پالے گا۔

ہم ذرہ ذرہ نیکیاں جمع کر کے ہی آخرت کے سفر کو اپنے لیے آسان بنا سکتے ہیں۔

اور اگر ذرہ ذرہ بھر برائی سمیٹتے رہے تو پھر............ کون ہے جو اللہ کے ہاں سفارش کرے گا؟ کون ہے جو بچائے گا؟

اس مسافر نے تو ہم آخرت کے مسافروں کو ایک سوچ دے دی اور یہ مسافر تھا کون.....مولنا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ۔

احساس

"اوہو! بہت تیز بارش ہے"۔ محترم میزبان نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں! چھت بھی تو ٹپکنے لگی ہے"۔ معزز مہمان فکرمندی سے بولا۔

اور پھر کچے مکان کی چھت سے پانی ٹپک ٹپک کر نیچے گرنے لگا۔

" آپ اس گھر کو پختہ کرالیں تو یہ تکلیف تو نہ اٹھانا پڑے"۔ مہمان نے محترم میزبان سے کہا۔

بہت خوب! آپ کی تجویز بہت اچھی ہے، واقعی اس طرح کچی چھت کے روز روز ٹپکنے سے نجات مل جائے گی۔ لیکن...... میزبان کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

مہمان سوالیہ انداز میں بولا...... لیکن؟؟؟

دراصل ہمارا پورا محلہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جن کی مالی حالت کمزور ہے اور وہ سب کچی چھت کے نیچے گزارہ کرنے پر مجبور ہیں، اگر میں نے مکان پختہ کرلیا تو ان میں اپنی مفلسی کا احساس مزید ابھر آئے گا۔

میزبان نے وجہ بیان کی۔

"بے شک ایسا ہوگا، آپ کا عذر قابلِ تحسین ہے۔ آپ کا احساس قابلِ رشک

ہے"۔ معزز مہمان نے کہا۔

پیارے بچو! اس محترم میزبان کے سامنے یقیناً رسول ﷺ کا یہ ارشاد ہوگا جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

" کہ پھل کھاؤ اور اس میں سے پڑوس والوں کو نہ بھیج سکو تو پھر اس کے چھلکے ایسی جگہ پھینکو جہاں پڑوسی کے بچوں کی ان پر نظر نہ پڑے ۔ (کنز العمال)

(تاکہ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ وہ یہ پھل نہیں کھا سکتے)

پیارے نبی ﷺ کا یہ حکم زندگی کے ہر معاملے پر حاوی ہے۔ ایک دردمند دل رکھنے والا آدمی یہ خیال رکھتا ہے کی وہ ایسی چیز نہ خریدے، ایسی عمارت نہ بنائے، ایسا لباس نہ پہنے، ایسا کھانا دوسروں کے علم میں لاکر نہ کھائے جو نادار لوگوں کو میسر نہیں۔ تاکہ وہ محرومی کے احساس کا شکار نہ ہوں۔ ان میں ان چیزوں کے حصول کی خواہش اتنی زیادہ نہ ہو جائے کہ وہ کوئی غلط طریقہ اختیار کر بیٹھیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ایسے غلط طریقوں سے دور رکھے، آمین۔

اور ہاں آپ سوچ رہے ہوں گے کہ یہ استاد رمند محترم میزبان کون تھا؟

یہ مدرسہ دیوبند کے ایک استاد مولانا اصغر حسین تھے،

اور مہمان؟

مولانا مفتی محمد شفیع، ایک عالمِ دین اور معارف القرآن، تفسیر کے مرتب۔ اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

مومن اور کھجور کا درخت

پیارے رسول ﷺ کی مبارک مجلس منعقد ہے۔ اس میں بڑے بڑے صحابہ کرام اس وقت موجود ہیں۔ مثلاً ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ، اور ایسے ہی دیگر کئی عظیم صحابہ۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک نوجوان بھی اس مجلس میں حاضر ہیں۔ صحابہ دین کی باتیں سمجھنے کے لیے...... آپ ﷺ کی عادات کو دیکھنے کے لیے یہاں حاضر ہوتے ہیں، تاکہ دین پر صحیح اور پورا پورا عمل کر سکیں۔

پیارے رسول ﷺ کا سمجھانے کا انداز بھی بہت پیارا ہے، بہت اچھا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مؤثر بھی ہوتا ہے۔

رسول ﷺ نے دین ہی کی ایک بات سمجھانے کے لیے سوال کیا؟

"درختوں میں ایک ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے۔ مسلمان کی مثال بھی اس درخت کی مانند ہے، وہ درخت کون سا ہے"؟

سوال سن کر صحابہ سوچنے لگے۔ جنگل کے جتنے درخت معلوم تھے ان کو یاد کیا، ان کی صفات پر غور کیا، لیکن ایسا کوئی درخت ذہن میں نہ آیا جس کے پتے کبھی نہیں

جھڑتے۔

نوجوان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ذہن میں ایک درخت کا نام تو آیا لیکن ابھی عمر چھوٹی تھی، یہی کوئی 14، 15 سال، سوچنے لگے کہ بڑے بڑے صحابہ تو جواب دے نہیں پائے میں کیسے بولوں؟

اکثر طلبہ ذہین ہوتے ہیں۔ جواب تو انہیں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بتانے میں ہچکچاتے ہیں۔ پرچہ حل کرتے وقت صحیح جواب نہیں لکھ پاتے۔ ایک کامیاب اور ذہین طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی اس جھجک کو دور کرے۔

جی ہاں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جواب دینے میں جھجک آڑے آئی۔

صحابہ کرام سے جواب نہ بن پڑا تو عرض کیا۔

یارسول اللہ ﷺ آپ خود ہی بتایئے، وہ کون سا درخت ہے؟

"کھجور" پیارے نبی ﷺ نے جواب دیا۔

صحابہ کے گھروں میں...... باغوں میں......اتنی کثرت سے یہ درخت تھا کہ روٹی کی جگہ کھجور...... مہمان نوازی کے لیے کھجور...... چیز میٹھی کرنے کے لیے کھجور......صدقہ......فطرانہ...... ہدیہ...... فدیہ......دینے کے لیے کھجور......اوڑھنے بچھونے کی اشیاء کھجور سے بنی ہوئی۔ لیکن عجیب بات ہے کسی کا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں۔

رسول ﷺ کا جواب سن کر عبداللہ بن عمرؓ نے سوچا..... کاش میں جواب بتا

دیتا۔۔۔میں نے بھی تو یہی سوچا تھا۔ لیکن کیا کرتے، بتانے کا وقت گزر چکا تھا۔
انہوں نے اپنے والد محترم عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا۔
بیٹے اگر تم اس وقت بتا دیتے تو میرے لیے یہ اتنا اتنا (یعنی بہت زیادہ) مال ملنے سے کہیں زیادہ خوشی کا باعث ہوتا۔
پیارے بچو! یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے اور صحیح مسلم کی کتاب صفتہ المنافقین میں سے لے کر ہم نے یہاں لکھی ہے۔
اور اب آیئے۔ ہم اپنا دماغ لڑائیں۔علم بڑھائیں اور دیکھیں کہ مومن اور کھجور کے درخت کی صفات میں کیا کیا مشترکہ خوبیاں ہیں۔

- کھجور کے درخت کا سایہ ہمیشہ رہتا ہے۔آندھی آئے، طوفان آئے، اس کے پتے نہیں جھڑتے۔

مومن بھی تو ہر انسان کے لیے ٹھنڈے سایے کی طرح ہوتا ہے۔خوشگوار، تر و تازہ طبیعت کا مالک۔کوئی غصہ کرے، بدزبانی کرے، کسی سے کوئی نقصان اٹھائے۔آپے سے باہر نہیں ہوتا۔اپنی نرم طبیعت کو نہیں چھوڑتا۔سب کو سکون پہنچانا اس کی خواہش ہوتی ہے۔

- اس پر کانٹے نہیں ہوتے۔

مومن بھی تو اپنی دل آزاری سے دوسروں کو محفوظ رکھتا ہے۔ وہ رسول ﷺ کے اس حکم کے مطابق ہوتا ہے۔

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں"

o ہمیشہ پھل دیتا ہے، کبھی خشک، کبھی تر۔

مومن کا ایمان اور اخلاق بھی تو سدا بہار ہوتا ہے۔ دوسروں کے اچھے یا برے رویے سے قطعاً اپنی عادت نہیں بدلتا۔

o کھجور کا درخت دور دور سے پانی کھینچ کر اپنی زندگی برقرار رکھتا ہے۔ بغیر پانی کئی سال زندہ رہ سکتا ہے۔

مومن بھی چاہے کتنا برا ماحول ہو۔ اس میں سے اچھائی تلاش کر لیتا ہے۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نیکی کی طرف لپکتا ہے۔ اور اپنی ایمانی زندگی برقرار رکھتا ہے۔

o کھجور کے درخت کی عمر کئی ہزار سال ہوتی ہے۔

مومن کی عمر چھوٹی ہو یا بڑی، وہ دنیا میں ایسی نیکیاں چھوڑ جاتا ہے جو ہزاروں سال گزرنے کے باوجود لوگوں کے دلوں میں تر و تازہ رہتی ہیں۔ پھر جنت میں اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

o کھجور کے درخت کا سر کاٹ ڈالو تو وہ مر جاتا ہے۔

مومن (انسان) کا سر کاٹ دیں تو اس کی بھی موت واقع ہو جاتی ہے۔

o کھجور کی لکڑی...... پتے...... شاخیں...... پھل سب کام آتے ہیں۔ اس کے پتوں سے ٹوکریاں...... چٹائیاں...... مصلے...... چھابے...... موڑھے...... بڑے بڑے گول اور چوکور بھڑولے بنائے جاتے ہیں۔ اس کی چھال، چھتوں پر ڈالی جاتی ہے،

گدوں اور تکیوں میں بھری جاتی ہے۔ اس کی گٹھلیاں اونٹ کا چارہ ہیں۔ اس کا پھل شیرینی، شہد، چینی کا کام بھی دیتا ہے۔ اور اناج کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ بہت سی بیماریوں میں بھی مفید ہے۔

مومن بھی اسی طرح ہمہ صفت ہوتا ہے اور انسانیت کو اپنی ذات سے ہر طرح زیادہ سے زیادہ نفع پہنچاتا رہتا ہے۔

❁❁❁❁❁❁

پورا تول

سکول کا وقت ختم ہو چکنے کے بعد وہ جیسے ہی صدر دروازے سے باہر نکلے، ان کے ذہن میں ننھی کا کہا ہوا جملہ گونجنے لگا ''ابو جان میرے لیے امرود لایئے گا''

ان کی نظریں مختلف ریڑھی والوں کی طرف اٹھ گئیں۔ تھوڑی دور ایک پھل فروش ریڑھی لگائے کھڑا تھا۔ وہ اس کے پاس پہنچے اور کہا!

'' کیوں بھئی! امرود میٹھے ہیں، ان کے اندر سنڈیاں تو نہیں ہوں گی''

دیکھ لیجئے صاحب! تازہ، صاف اور میٹھے ہیں۔ پھل فروش نے تیزی سے ایک بڑا سا امرود کاٹ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

انہوں نے چکھ کر دیکھا۔ امرود واقعی میٹھا تھا۔

کتنے تولوں جناب۔ ریڑھی والے نے کہا۔

'' دو سیر '' جواب ملا۔

پھل فروش نے دو سیر امرود تولے، تھیلے میں ڈالے اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے حوالے کیے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب نے قیمت ادا کی اور ساتھ تھیلے میں سے دیکھ کر ایک اتنا بڑا امرود

نکالا جتنا بڑا وہ چکھنے کے لیے ابھی تک ہاتھ میں لیے کھا رہے تھے۔

یہ امرود انہوں نے پھل فروش کی ریڑھی پر رکھ دیا۔

واپس کیوں کیا ہے صاحب؟ ریڑھی والے نے حیرانی سے کہا۔

تم اتنا بڑا امرود پہلے ہی مجھے چکھنے کے لیے دے چکے ہو۔ چونکہ وہ تول میں شامل نہیں ہوا تھا اس لیے اس کی بجائے یہ امرود تمہارا ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے وضاحت کی۔

'' صاحب! تقریباً ہر گاہک خریدنے سے پہلے تھوڑا بہت پھل چکھتا ہے اور پھر اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے۔ پھل فروش بولا۔

'' بھلے آدمی! تمہاری کمائی میں اللہ تعالےٰ برکت دے، تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن مجھے تو فرق پڑے گا نا'' ہیڈ ماسٹر صاحب نے جواب دیا۔

'' وہ کیسے جناب ''؟ پھل فروش حیرت سے بولا۔

میرے بھائی اللہ کا حکم ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ کی تعلیم ہے کہ ناپ تول اور قیمت ادا کرنے میں کمی نہ کیا کرو۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لیے ہلاکت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اک ذرا سا امرود میرے لیے ہلاکت بن جائے۔ لہٰذا میری بھلائی اتنا ہی مال لینے میں ہے، جتنے کی میں نے قیمت ادا کی ہے۔ اس لیے مجھے اس سے زیادہ لینے کا کوئی حق نہیں۔ سمجھے؟

ہیڈ ماسٹر صاحب نے وضاحت کی۔ السلام علیکم کہا اور چل دیے۔

تعلیم قرآنی کا انوکھا انداز

چھٹی صدی ہجری کا واقعہ ہے، مہدیہ شہر کے باہر ایک مسجد تھی۔ جس میں ایک خستہ حال مسافر آ کر ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ مسافر نماز کے بعد کھڑکی میں آ کر بیٹھ جاتا۔ جس کے پٹ سڑک کی طرف کھلتے تھے۔ جیسے ہی اسے کسی شخص کے ہاتھ میں شراب کا برتن نظر آتا، اسے زمین پر پھینک دیتا۔ اسے رسول ﷺ کا حکم سناتا کہ نشہ آور اشیاء حرام ہیں۔ پھر ایک مسلمان کے ہاتھ میں یہ کیوں؟

کسی کے پاس موسیقی کا کوئی آلہ دیکھ لیتا، تو اسے چھین کر توڑ دیتا، اور اسے سمجھاتا کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ان آلات سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔

چند دن ہی گزرے تھے کہ شہر کے امراء اس شخص کے روّیے سے تنگ آ گئے۔ کیوں کہ یہ شخص ان کے عیش و عشرت میں خلل ڈال رہا تھا۔ انہوں نے امیرِ شہر کو شکایت لگائی اور اس شخص کو یہاں سے نکلوا دیا۔

یہ اس شخص کے ساتھ کوئی نیا حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ جہاں جاتا، اس کے ساتھ یہی ہوتا۔ جب کسی برے کام سے مسلمانوں کو منع کرتا تو لوگ اسے راستے کا پتھر سمجھ کر،

ہٹا کر ہی دم لیتے۔

یہی وجہ تھی کہ اس شخص کا مستقل ٹھکانہ کہیں نہ بن سکا، گو اس کا پیدائشی شہر مراکش تھا۔

ایک بار المغرب جاتے ہوئے، بحری جہاز میں سوار ہوا تو وہاں تمام مسافروں کو نماز کی پابندی کی تلقین کرتا رہا۔

مراکو میں اس نے دیکھا کہ امیر علی کی بہن گھوڑے پر سوار گلیوں سے گزر رہی ہے۔ لیکن پردے کا کوئی اہتمام نہیں۔ اس نے گھوڑے کو روکا اور اسے بے پردگی سے منع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیر علی نے بھی اسے شہر بدر کر دیا۔

اس شخص نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل اپنا فرض ادا کرتا رہا۔ وہ فرض جو اللہ نے ہر مسلمان کے ذمے لگایا ہے!

''تم ایک بہترین امت ہو، جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو، تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے ہو۔ (آل عمران)

پھر بھلا وہ لوگوں کو برے کا کام کرتے دیکھ کر چپ کیسے رہ سکتا تھا؟ بالآخر اس شخص نے حکومتِ وقت سے ٹکر لی، جو مرابطین کہلاتی تھی۔ کئی حملوں کے بعد اللہ نے اسے فتح سے نوازا اور اس نے ایک نئی حکومت کی بنیاد رکھی۔

حکومت ہاتھ آئی تو اس نے پوری قوت سے لوگوں کو برائیوں سے روکا۔ اور اس سلسلے میں کئی اقدامات کیے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ حرام اور ناجائز امور کو ختم کر کے

رہے گا۔ اوراس کی جگہ ایک صالح معاشرہ تشکیل دے گا۔

اس نیک دل سلطان کا نام محمد بن تومرت تھا۔ جو اسلامی علوم میں "امام داؤد ظاہری" اور "امام ابن حزم" کا خوشہ چین تھا۔

اس کی قوم جو بربر کہلاتی تھی۔ تعلیم سے بالکل ناواقف تھی۔ اذان اور نماز تک انہیں یاد نہیں تھے۔ اس نے نماز اور اذان کا بھی بربری زبان میں ترجمہ کرایا۔ یہی وہ پہلا خوش نصیب شخص تھا، جس نے قرآنِ حکیم کا بربری زبان میں ترجمہ کرانے کی سعادت حاصل کی۔

رعایا کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانا...... ان کے دلوں میں اسلام کی محبت بسانا...... انہیں اسلام کی اچھائیوں پر عمل کرنے کا عادی بنانا...... اور برائیوں سے دور رکھنا......اس کا فرض تھا۔ اس لئے کہ اب وہ امیرِ قوم تھا۔ اور اللہ کے ہاں ان کے اچھے برے اعمال کا جوابدہ۔

اس نے بہت کوشش کی، کہ بربر جیسی جاہل قوم قرآن پاک سیکھ لے لیکن بے سود، انسان اگر کرنا چاہے تو کون سا کام ہے جو نہیں ہوسکتا۔ سلطان محمد بن تومرت نے بھی ہمت نہیں ہاری، وہ مختلف طریقے آزماتا رہا۔ آخر اس کو ایک انوکھا طریقہ سوجھا۔

اس نے قوم کے افراد کو سامنے کھڑا کیا۔ اور ان کے نام قرآنی ترتیب پر رکھے۔ مثلاً ایک کا نام بسم اللہ، دوسرے کا نام الرحمٰن، اور تیسرے کا نام الرحیم ۔ یوں اس نے ترتیب وار سورۃ فاتحہ کے ہر لفظ پر ایک شخص کا نام رکھا۔ انہیں یہ نام یاد کرائے اور

پھر حکم دیا کہ وہ اسی ترتیب سے ان تمام اشخاص کے نام دہراتے جائیں۔ اس انوکھے انداز سے ان لوگوں کو سورۃ فاتحہ یاد ہوگئی۔ سلطان اپنی کامیابی پر بہت خوش ہوا اور اس انداز سے اپنی قوم کو بہت سی سورتیں یاد کرانے میں کامیاب ہوگیا۔

تعلیمِ قرآن اور تعلیمِ بالغاں کا یہ انوکھا انداز، ہماری تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ اور ان سربراہان قوم کے لئے ایک سبق...... جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ

"آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے ہم کیا کریں"۔

(بحوالہ) مسلمان سائنس دان اور ان کے کارنامے

از غلام قادر لون۔ مکتبہ معارف اسلامی، منصورہ لاہور

دشمن کے بچوں کے لیے امان بھی امن بھی......

تلواریں میانوں سے باہر نکل رہی تھیں، نیزے ابھر رہے تھے، تیر ایک سیکنڈ میں اپنے مدِ مقابل کو ہلاک کرنے کے لئے بے چین تھے۔ گھڑ سوار اپنی جنگی مہارت کا وہ منظر پیش کر رہے تھے۔ جس میں ان کے مقابل کو ہی بے ساختہ داد دینا پڑتی۔ کچھ زرہ میں ملبوس اور کچھ بغیر زرہ کے جنگجو اپنے مقابل کو کچا چبا جانے کے لئے چنگھاڑ رہے تھے۔ پورا میدان تلواروں کی چمک سے ایسے لگ رہا تھا جیسے آسمان پر بجلی برابر چمک رہی ہو۔

دو لشکر، دو جماعتیں آمنے سامنے تھیں۔ دونوں کا وجود اس جنگ کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ لیکن پس منظر دیکھیں تو ایک وہ جماعت تھی۔ جس کا جرم صرف یہ تھا۔ کہ اس نے خود ساختہ معبود چھوڑ کر ایک ایسے معبود کو مان لیا تھا جو ایک ہے...... زندگی اور موت پر قادر ہے...... ذرے ذرے میں تبدیلی اسی کے کُن کہنے سے ہوتی ہے۔ دوسری طرف وہ جماعت تھی۔ جسے اس جماعت کا یہ اعلان بری طرح کھٹکا تھا۔ ایسا

تھا کہ انہوں نے ایک معبود والی جماعت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ دونوں جماعتوں میں کئی جنگیں برپا ہو چکی تھیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جنگ کا آغاز ہمیشہ دوسری جماعت کی طرف سے ہوتا، ورنہ ایک معبود والی جماعت کا مقصد پُر امن زندگی تھا نا کہ جنگ۔

اس وقت بھی جنگ اپنے شباب پر تھی، ایسے میں ایک معبود والی جماعت کے امیر کو یہ خبر ملی کہ ہزار احتیاط کے باوجود چند بچے تلواروں کی زد میں آ گئے۔ امیر محترم نے خبر سنی، جواب کے لیے لشکریوں نے نظریں ان کے چہرے کی طرف کیں تو وہاں غصے کے آثار پوری طرح موجود تھے۔ کتنے ہی دل غصے سے بھرا چہرہ دیکھ کر کانپ اٹھے، کہ نامعلوم اب کیا ہو؟

ایک لشکری ادب سے آگے بڑھا اور عرض کیا۔ یہ بچے دشمن کے تھے۔ گویا اس کی نظر میں دوران جنگ اگر بلا ارادہ دشمن کا بچہ قتل ہو جائے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ جس کو ناروا سمجھا جائے، یقیناً اس کی نظر میں دنیا بھر کے وہ تمام لوگ تھے جو جنگ میں چاہے ان کے بچے ہوں یا عورتیں جو سامنے آئے اسے گاجر مولی کی طرح کاٹتے جاتے

لیکن یہاں امیرِ لشکر تو وہ شخص تھے جن کا نام ہی رحمۃ للعالمین ﷺ ہے جو دنیا میں امن و سلامتی قائم کرنے کے لیے ہی آئے تھے جن کا ارشاد ہے۔

”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں“

وہ رسول ﷺ جو انسانوں کو زندگی دینے آئے تھے، ایمان کی زندگی......اسلامی زندگی......محبت کی زندگی......پیار کی زندگی......

امیرِ لشکر نے عذر سنا اور پورے وقار، جوش، تحکم اور اپنی بے پناہ رنجیدگی پر قابو پاتے ہوئے فرمایا۔

بچے چاہے دشمن کے ہوں انہیں قتل نہ کیا کرو!

بچے چاہے دشمن کے ہوں انہیں قتل نہ کیا کرو!

بچے چاہے دشمن کے ہوں انہیں قتل نہ کیا کرو!

اس حکم کا سننا تھا کہ تمام اہل لشکر کے دل ندامت سے بھر گئے۔ وہ اس بلا ارادہ ارتکابِ قتل پر پچھتانے لگے اور پھر دنیا نے دیکھا......تاریخ نے محفوظ کیا......وقت نے گواہی دی...... دشمن نے اعتراف کیا کہ اس محترم امیر پیارے رسول ﷺ کے سچے جان نثاروں اور حقیقی غلاموں نے کبھی دشمن کے بچے کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بلکہ انہیں پیار سے پالا، اپنے گھر رکھا، اپنے بچوں کی طرح انہیں پڑھایا لکھایا اور وہ ایک معزز شہری بنے۔

اب ایک بچے عطیہ قرظی کی زبانی اس حقیقت کا اعتراف،

ان کا تعلق یہود سے تھا۔ وہی یہودی جو مسلمانوں کے لئے سانپ سے زیادہ زہریلے......لومڑی سے زیادہ مکار...... چیتے سے زیادہ عیار......اور بھیڑیوں سے زیادہ

چھیڑ چھاڑ کرنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک معبود کے ماننے والوں کے خلاف شعر کہے، نظمیں لکھیں، قبائل کو بڑھکایا، کافروں کو اپنا تعاون پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ پر پتھر گرا کر انہیں ہلاک کرنے کی کوشش کی، کھانے میں زہر ملایا، غزوہ احزاب میں مسلمان عورتوں اور بچوں کے قافلہ میں گھس گئے تا کہ انہیں بے خبری میں قتل کر دیں۔ ایک مسلمان بچی کو قتل کر کے اس کی بالیاں اتار لیں۔ ایک مسلمان عورت کو سرِ بازار برہنہ کیا۔

جب اس دشمن پر اللہ نے قابو دیا تو انہوں نے خود اپنا فیصلہ سعد بن معاذ کے ہاتھ دے دیا۔ سعد نے تورات کے مطابق فیصلہ سنا دیا کہ ''مرد قتل کر دیئے جائیں عورتیں اور بچے غلام بنا لئے جائیں''۔

چنانچہ جن لڑکوں کے ابھی داڑھی مونچھ نہیں آئی تھی۔ انہیں بھی بچوں میں شمار کر کے زندہ رہنے دیا گیا۔

عطیہ قرظی کہتے ہیں، ''میں بھی ایسا ہی بچہ تھا۔

ہم بچوں کو مسلمانوں کی تحویل میں دے دیا گیا۔ مسلمانوں نے انہیں اتنی محبت سے پالا پرورش کی...... کہ ہم سب مسلمان ہو گئے''۔

اور عطیہ قرظی بعد ازاں دین کے بہت بڑے عالم بنے جنہوں نے قرآن پاک کی تفسیر اور حدیثِ نبی میں کمال حاصل کیا۔ (سنن ترمذی)

کے لئے بچے کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

''لو جی اور سنو بڑے لوگ لڑتے خود ہیں، جھگڑتے خود ہیں، خطرناک اسلحہ بنانے کے لئے سائنس دانوں کو مصروف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں امن قائم کرنا ہے، عبدالواجد جو ساری گفتگو غور سے سن رہا تھا بڑی پختہ گوئی سے بولا۔''

اور جب اسلحہ پر پابندی کا مسئلہ آئے، تو صرف کمزور ملکوں سے دستخط کرواتے ہیں۔ یہ ماریہ کی آواز تھی جو چھٹی کلاس کی طالبہ ہے۔

دنیا میں امن قائم کرنا بچوں کا کام تھوڑا ہی ہے۔ اسے بچوں کے نام کے ساتھ خواہ مخواہ نتھی کر دیا گیا ہے۔ یہ تو حکمرانوں کا کام ہے۔

باجی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی یہ دانش ورانہ باتیں دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ اکثر یہ دانش ور بڑے بڑے مسائل پر یوں بات کرتے، جیسے اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں کوئی اہم مسئلہ زیرِ بحث ہو۔

ننھے بچے اپنی رائے پیش کر رہے تھے اور باجی سوچ رہی تھی کہ بچے ہوں یا بڑے، امن کی اہمیت اور ضرورت سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن امن کیسے قائم ہو؟ اس پر بڑے بڑے دانشوروں کے اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ مگر کیسی فیصلہ پر پہنچے بغیر برخاست ہو جایا کرتے ہیں۔ تو پھر ان ننھے دانشوروں کی سمجھ میں یہ بات بھلا کیسے آ سکتی ہے؟

باجی اپنی سوچ سے نکلی تو ماریہ کہہ رہی تھی۔ ''اس سے مراد یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ

کے لئے بچے کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

''لو جی اور سنو بڑے لوگ لڑتے خود ہیں، جھگڑتے خود ہیں، خطرناک اسلحہ بنانے کے لئے سائنس دانوں کو مصروف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں امن قائم کرنا ہے، عبدالواجد جو ساری گفتگو غور سے سن رہا تھا بڑی پختہ گوئی سے بولا۔

اور جب اسلحہ پر پابندی کا مسئلہ آئے، تو صرف کمزور ملکوں سے دستخط کرواتے ہیں۔ یہ ماریہ کی آواز تھی جو چھٹی کلاس کی طالبہ ہے۔

دنیا میں امن قائم کرنا بچوں کا کام تھوڑا ہی ہے۔ اسے بچوں کے نام کے ساتھ خواہ مخواہ نتھی کر دیا گیا ہے۔ یہ تو حکمرانوں کا کام ہے۔

باجی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی یہ دانش ورانہ باتیں دلچسپی سے سن رہی تھیں۔ اکثر یہ دانش ور بڑے بڑے مسائل پر یوں بات کرتے، جیسے اقوامِ متحدہ کے اجلاس میں کوئی اہم مسئلہ زیر بحث ہو۔

ننھے بچے اپنی رائے پیش کر رہے تھے اور باجی سوچ رہی تھی کہ بچے ہوں یا بڑے، امن کی اہمیت اور ضرورت سب کے لئے یکساں ہے۔ لیکن امن کیسے قائم ہو؟ اس پر بڑے بڑے دانشوروں کے اجلاس ہوتے رہتے ہیں۔ مگر کیسی فیصلہ پر پہنچے بغیر برخاست ہو جایا کرتے ہیں۔ تو پھر ان ننھے دانشوروں کی سمجھ میں یہ بات بھلا کیسے آ سکتی ہے؟

باجی اپنی سوچ سے نکلی تو ماریہ کہہ رہی تھی۔ ''اس سے مراد یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ

''اس کا مطلب ہے کہ صرف اسلام ہی دنیا کو امن دے سکتا ہے''۔ معصوم شاہد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اتنے میں حی علی الصلوٰۃ کی آواز آئی اور تمام بچے اپنی دانشوری وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اللہ کے حضور جھکنے کے لئے وضو کرنے لگے۔ باجی سوچ رہی تھیں۔

''نبی پاک کا ارشاد ہے! اپنے بھائی کی مدد کرو، ''ظالم ہو یا مظلوم''

صحابہ نے عرض کیا ''مظلوم کی مدد تو ہوگی'' مگر ظالم کی مدد کیسے؟۔ فرمایا ظلم کرنے سے روک کر۔

ننھے شاہد نے بات تو درست کی ہے لیکن ایسا کرے کون؟

بی بلی نے جھولا جھولا

شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ رحیق کی امی نے اسے دو تین بار کہا کہ جاؤ چھت سے جا کر منی کے کپڑے لے آؤ، لیکن وہ ہر بات اَن سُنی کرتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ امی کی بات نہیں مانتا تھا بلکہ وجہ یہ تھی کہ اسے اندھیرے میں اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔

جب امی نے اسے ایک بار پھر کہا تو اس نے پانچ سالہ شاہدہ سے سرگوشی میں کہا "شاہدہ! میرے ساتھ چلوگی"؟

"نہیں بھیا" ! شاہدہ نے انکار کر دیا۔

"میں تمہیں دکان سے بسکٹ لا کر دیتا ہوں اور آئس کریم بھی، آؤ نا میرے ساتھ" رحیق نے اپنی اہمیت یاد دلاتے ہوئے کہا۔

شاہدہ کو معلوم تھا کہ یہ میری مجبوری ہے اگر رحیق بھائی نہ لا کر دیں تو پھر بسکٹ کیسے کھاؤں۔ خود تو لڑکی ہوں، دکان پر جا نہیں سکتی، بیٹیوں کا دوکان پر جانا اچھی بات نہیں ہوتی..... اس کے امی ابو نے اس کو یہی سمجھا رکھا تھا۔ اس کے ننھے دماغ نے کچھ سوچا اور اس کے ساتھ سڑھیوں کی طرف چل پڑی۔

دونوں آخری سیڑھی پر پہنچے۔ چاروں طرف نظر گھمائی تو دیکھا کہ چیزوں کے

کالے کالے سائے عجیب منظر پیش کر رہے ہیں۔رحیق کو ان سایوں سے ہی تو خوف آتا تھا۔

شاہدہ نے دیکھا،چھت کے وسط میں رکھا ہوا منی کا جھولا جھول رہا تھا،لیکن کوئی متنفس تو تھا نہیں۔

ہائے جن ! کہہ کر وہ نیچے کی طرف بھاگی اور ساتھ ہی رحیق نے بھی دوڑ لگا دی۔امی نے حیرت سے پوچھا !ارے آپ لوگوں کو کیا ہوا''؟

امی!!!! امی وہ..............جن ہے چھت پر ''........شاہدہ نے کہا

''کہاں ہے جن؟ جن ون کچھ نہیں ہوتا،خواہ مخواہ ڈرتے ہیں آپ''.....امی نے کہا۔

نہیں امی!سچ مچ جن،جھولا جھول رہا ہے،آپ خود جا کر دیکھ لیں''۔رحیق بولا

امی سمجھ گئیں کہ بچے چھت پر اکیلے جانے سے کیوں گھبراتے ہیں۔انہوں نے ان کا ڈر دور کرنے کے لیے ان کو ساتھ لیا۔وہ دونوں ڈرتے ڈرتے سیڑھیاں چڑھے اور امی کے ساتھ پیچھے لگ کر کھڑے ہو گئے۔امی جان نے بلب جلایا،جھولے کے پاس پہنچیں تو دیکھا کہ بی بلی بڑے آرام سے جھولے میں لیٹی اپنے ننھے منے دو عدد بلوں کو دودھ پلا رہی ہیں۔جب وہ حرکت کرتیں تو جھولا جھولنے لگتا۔ یہ منظر دیکھ کر شاہدہ اور رحیق کی ہنسی چھوٹ گئی اور سارا خوف جاتا رہا۔بلی نے خطرہ سمجھ کر دونوں کو گھور کر دیکھا۔

امی جان نے دونوں کو سمجھایا !یاد رکھو کہ ایک مسلمان کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے کسی اور کا ڈر کیسا ؟ رہے جن !تو ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا : کہ بسم اللہ کہہ کر

دروازے بند کریں ،آیت الکرسی پڑھ کر گھروں میں پھونک دیں۔نماز پانچ وقت پابندی سے ادا کریں ،حرام کے لقمے سے پرہیز کریں۔تصویر اور گانے بجانے والی چیزیں گھروں سے نکال دیں تو پھر جن یا شیطان کبھی ادھر کا رُخ نہیں کرتے۔ ''آپ یہ سب کرتے ہیں نا''؟ امی جان نے دونوں سے پوچھا !

''جی امی جان '' !رحیق نے کہا۔

لیکن میری صبح کی نماز رہ گئی تھی ''۔ شاہدہ نے کہا......!

اب آئندہ خیال رکھنا کہ نماز نہ چھوٹے اور ہاں ایک اور بات یاد رکھو۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے'' کہ اگر بسم اللہ کہہ کر گھر میں داخل نہ ہوں تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ تمہیں رات کا کھانا بھی مل گیا اور ٹھکانا بھی اور اگر بسم اللہ کہہ کر گھر میں داخل ہوں، بسم اللہ کہہ کر کھانا کھائیں تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے تمہارے لیے نہ یہاں کھانا ہے نہ رات گزارنے کی جگہ.........لہٰذا آپ لوگ بسم اللہ کہہ کر ہر کام کیا کریں تاکہ جن اور شیطان ہمارے گھر نہ آسکیں۔

''امی جی! اسی لیے ابو جان جب گھر میں آتے ہیں تو بسم اللہ کہہ کر اندر پاؤں رکھتے ہیں اس کے بعد ابو سلام کرتے ہیں''۔شاہدہ بولی!

بالکل! اسی لیے تو جنات ہمارے گھر نہیں آسکتے سمجھے''؟امی نے وضاحت کی۔

''البتہ بلیاں جھولا جھولنے آسکتی ہیں'' بھائی انیق جو باہر کھڑے پوری بات سن چکے تھے،انہوں نے گرہ لگاتے ہوئے کہا !اور سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

ہماری مطبوعات

کتاب	مصنف
تدریس الحروف (تعلیم وتدریس کا تمثیلی خاکہ)	محمد مسعود عبدہٗ رحمۃ اللہ علیہ
خطوط علیم وخبیر کے نام	〃 〃
خدالحادفی الاسماء الحسنٰی	〃 〃
ہجرت کی راہیں (قدم...... بہ قدم، منزل...... بہ منزل)	〃 〃
ننھے حارث کا خواب (نیا ایڈیشن)	〃 〃
منگنی اور منگیتر	اُمِّ عبدِ منیب
بہواور داماد پر سسرال کے حقوق	〃 〃
دیور اور بہنوئی	〃 〃
ردیف صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین	〃 〃
رحمۃ للعالمین کی شفقت جانوروں پر	〃 〃
لواء الجہاد (جہادی منظومات)	〃 〃

مشربہ ء علم و حکمت
ندیم ٹاؤن ڈاکخانہ اعوان ٹاؤن لاہور